قاری محمد انس حسان
استاذ مدرسہ جامعہ قاسم العلوم ملتان

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ذوقِ شاعری

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اٹھارویں صدی کے آغاز یعنی ۱۷۰۳ء میں ہندوستان کے مرکز دہلی میں آنکھ کھولی۔ والد محترم کا نام شاہ عبدالرحیمؒ تھا جو بذات خود بڑے جید عالمِ دین تھے۔ شاہ صاحبؒ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظمؒ تک پہنچتا ہے۔ ابتداء ہی سے ذہن رسا اور علم دوست طبیعت پائی تھی۔ ۱۵ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم حاصل کر لئے اور ۱۷ سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد مسندِ تدریس سنبھال لی۔ تدریس کا یہ سلسلہ تقریباً ۱۲ برس تک جاری رہا اور پھر حرمین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور دو مرتبہ حج کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے پیچھے چار فرزند چھوڑے جن کے اسماء یہ ہیں، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ۔ آپؒ کی وفات ۱۷۶۲ء میں ہوئی اور دہلی ہی میں مدفون ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وہ نابغۂ روزگار علمی و روحانی شخصیت ہیں جنہوں نے اسلامی علوم کے تقریباً تمام شعبہ ہائے جات پر انتہائی گہرے اور دوررس اثرات مرتب کئے ہیں۔ بایں ہمہ آپؒ کی شخصیت اعلیٰ درجہ کے مفکر، مدبر اور مجتہد کی ہے جن کی اصلاحی کوششیں اور اجتہادی کارنامے قابلِ رشک ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ تقلید بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جہاں قرآن، حدیث، فقہ اور سیرت پر ایک عمدہ ذخیرہ کتب کا چھوڑا ہے وہیں ادب و شاعری پر بھی شاہ صاحبؒ کا خاطر خواہ کام موجود ہے۔ لیکن شاید شاہ صاحبؒ کے باقی کام اتنے اہمیت کے حامل تھے کہ اس کام پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ نیز شاہ صاحبؒ کے اولین سوانح نگار مولانا محمد رحیم بخش کے علاوہ شاہ صاحبؒ کے کسی سوانح نگار نے اس پہلو پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی کہ جس سے شاہ صاحبؒ کے ادبی مقام و مرتبہ کو سمجھا جا سکے۔ مولانا محمد رحیم بخشؒ نے بھی شاہ صاحبؒ کے جن اشعار و قصائد کا ذکر کیا ہے ان کے مطابق:

''اگر آپؒ کے کلام کا متجسس نگاہوں سے تتبع کیا جائے تو ایک مختصر دیوان بن سکتا ہے۔''

اسی طرح مولانا محمد رحیم بخشؒ کے بقول ان کے پاس خطوط کا بھی بڑا ذخیرہ موجود تھا جس میں سے محض ادبی خطوط کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ بہر حال بتانا یہ مقصود ہے کہ شاہ صاحبؒ کے ان اشعار اور ادبی مکاتیب کے پہلے اور آخری راوی یہی رحیم بخشؒ ہیں۔ یقیناً ان کے پاس ایسے ماخذات رہے ہوں گے جو شاید بعد کے محققین کو میسر نہیں رہے۔ لیکن یہ کہنا بھی بعید از خیال نہیں کہ یہ رحیم بخش صاحب کی وہی مبالغہ آمیزی ہو جس کی مثالیں اس کتاب میں

جابجا ملتی ہیں۔ عام طور پر شاہ صاحبؒ کا مشہور قصیدہ "اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" اور عربی کلام مرتبہ شاہ عبدالعزیز کے علاوہ آپؒ کی شاعری کا باقی مواد آپؒ کی کتب میں نہیں ملتا۔ بہرحال شاہ صاحبؒ کا کلام اور اس کا علمی وادبی مقام کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنا تخلص امین کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی زیادہ تر شاعری فارسی میں ہے مگر کچھ قصائد عربی میں بھی ہیں۔ مثلاً آپ کا مشہور قصیدہ "اطیب النغم" دراصل عربی ہی میں ہے۔ اور اس میں آپ کی وضاحت اور عربی الفاظ کے چناؤ کا معیار دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے آپ نے تمام عمر صرف شاعری ہی کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی شاعری جہاں تصوف وسلوک کا رنگ لیے ہوئے ہے وہیں آپ کے اشعار میں رسمی عاشقانہ خیالات بھی ملتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی شاعری کا ایک اور خاص وصف ان کے قافیہ بندی کا حسن ہے۔ جس کا مظاہرہ ان کی اس غزل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بزلفِ پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را خروشِ در دلِ شبہا نمی کردم چہ می کردم
دل پرورد جان افگار یارِ تندخودارم جہاں را پر زیاریہا نمی کردم چہ می کردم
غم تحصیل وبارِ شغل ودردِ غزل می بیتم جنون ترک منصبہا نمی کردم چہ می کردم
کسے بائل ہمیسازد کسے باگل ہمی بازد اگر من یاد آں لیہا نمی کردم چہ می کردم
حجاب وصل مطلوب ست دل بستن طلبہا امین گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

ذرا اس غزل کے قافیہ "نمی کردم چہ می کردم" پر نظر ڈالئے۔ اس کا ذاتی حسن تو اپنی جگہ لیکن اس میں شاعر نے جس طرح ہر چیز سے اپنے دامن کو بچایا ہے۔ وہ قابل دید ہے۔ بایں ہمہ یہ پوری غزل قرآن کریم کی آیت "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" کی تشریح ہے۔ پہلے شعر کو اگر عشق حقیقی کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں شاعر وحدۃ الوجود کی تشریح کرتا نظر آتا ہے۔ یعنی کسی کی پیچ در پیچ زلفوں میں شاعر نے خود کو گم کرلیا ہے۔ لیکن رات کے اندھیروں میں اس کے دل کے جوش وجذبہ کی جو حالت ہوتی ہے شاعر کہتا ہے وہ میں نہیں کرتا بلکہ اے میرے مالک! وہ تو تو ہی کرتا ہے۔

اس سے اگلے اشعار میں بھی خالق حقیقی سے یہ راز ونیاز جاری رہتا ہے۔ چوتھے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے کسی کو کانٹے کی شکل دی اور کسی کو پھول بنایا ہے اور اگر میں نے ان لبوں سے تجھے یاد کیا یعنی تیرے ذکر کی جو توفیق مجھے ملی ہے یہ دراصل تیری ہی مہربانی وعنایت ہے۔ آخری شعر میں شاعر لب لباب کے طور پر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ میری اس خواہش سے میرا دل مظبوط ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی اس خواہش کے درمیان جو رکاوٹیں آجاتی ہیں ان کا الزام شاعر اپنے سر نہیں لیتا بلکہ کہتا ہے کہ اگر میں سستی کرتا ہوں تو

میرے مالک! تیری توجہ شاملِ حال ہو تو یہ رکاوٹیں بھی میری خواہش کو پورا ہونے سے نہیں روک سکتیں۔

اس غزل میں شاعر جس خوبی سے ہر چیز سے کنارہ کرتے نظر آتا ہے وہ اس کی حقیقی خوبصورتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی ایک دوسری غزل ملاحظہ فرمائیں:

دوائے دردِ من بر جمع اضداد تو بینازم — نمک ریزِ دلِ مجروح من ہستی و مرہم ہم
جہان و جان فدائے وضع شوخ شہر آشوب — قیامت می نمائی و دم عیسیٰ و مرہم ہم
توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن — توئی مقصود اہلِ دل توئی مشتاق و ہمدم ہم
زیک منبع در ینجا مختلف فوارہ می جوشد — مزاج حرص قارون زہد ابراہیم ادہم ہم
بخارے از زمین خیز و بباد جو در آمیزد — گہے باران ریزان است گہے برف و شبنم ہم
کدامی طرفۂ نیر نگئے کاشانہ سرداری — کہ عالم پائے کوب از دست عشقت گشت و آدم ہم

اس غزل کو ''ہم'' کے ردیف اور قافیے نے انتہائی باوقار اور خوبصورت بنا دیا ہے۔ ذرا یہ شعر ملاحظہ ہو:

توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن — توئی مقصود اہلِ دل توئی مشتاق و ہمدم ہم

اسی شعر کو معمولی سے تغیر کے ساتھ علامہ محمد اقبالؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ممکن ہے اقبالؒ نے اپنے اس شعر کا بنیادی تصور شاہ صاحبؒ کے اسی شعر سے لیا ہو۔ بنیادی طور پر یہ سورۃ الحشر کی آخری آیات کی تشریح ہے۔

اس سے اگلے شعر میں شاہ صاحبؒ پھر اپنے فلسفہ ''وحدۃ الوجود'' کی تشریح کرتے نظر آتے ہیں۔ یعنی شاہ صاحبؒ کے بقول ایک ہی جگہ سے مختلف انواع کے فوارے جوش مار رہے ہیں۔ خواہ وہ قارون کا حرص ہو یا پھر حضرت ابراہیم بن ادہم کا تقویٰ ہو سب ایک ہی جگہ سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اسکی مزید تشریح کرتے ہوئے اگلے شعر میں فرماتے ہیں کہ جس طرح بنیادی طور پر ایک ہی جگہ سے ایک ہی طرح کے بخارات اٹھتے ہیں اور بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں لیکن جب برستے ہیں تو کسی جگہ پر بارش کی شکل اختیار کرتے ہیں اور کسی جگہ برف اور شبنم کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس سے شاہ صاحبؒ کا یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ وہ ہر چیز میں ہے

حضرت شاہ صاحبؒ بنیادی طور پر صوفیانہ طبیعت کے مالک تھے اور ان کی طبیعت کا یہ رنگ ان کی دیگر کتب کی طرح ان کی شاعری میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ عشقِ حقیقی کے دوران سالک پر بیتنے والے حالات اور غیر یقینی کیفیات کو شاہ صاحبؒ نے انتہائی عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ اس حوالے سے یہ غزل ملاحظہ فرمائیں:

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشقِ شوریدہ ام یا عشقِ با جانانہ ام

جتلائے حیرتم جاں گویمت باجانِ جان اصطلاحِ شوق بسیارست ومن دیوانہ ام
باجمالِ زا تیش حُسنِ دگر درکار شد چشمِ او را سرمہ ام یا زلفِ او را شانہ ام
میل ہر عنصر بود سوئے مقرا صلیش جذبۂ اصل است ہر ہر شورشِ مستانہ ام
غافل از خود ماند از صورت چو پرشد آئینہ تاترا بشناختم جانا زخود بیگانہ ام
اے امینؔ بر مستعیم نام تجدد تہمت ست در ازل پیش از زمان تعمیر شد میخانہ ام

اس غزل کے پہلے شعر کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں اور لطف اٹھائیں۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام عاشق شوریدہ ام یا عشق باجانانہ ام

گویا شاعر عشقِ حقیقی کی مستی میں اس قدر محو ہے کہ وہ یہ تک نہیں جانتا کہ وہ خود شراب ہے یا شراب کا پیالہ ہے، پریشانِ حال عاشق ہے یا خود کسی کا عشق ہے۔ نیز شعر میں ''باجانانہ'' نے ایسا لطف وکیف پیدا کر دیا ہے کہ پڑھنے والا خود اس مستی کا حصہ بن جاتا ہے۔

شاعر صوفیاء کی اصطلاح ''مقامِ حیرت'' میں اس درجہ گم ہے کہ خود اس کو اپنا علم نہیں اور اسی کیفیت میں پکار اٹھتا ہے۔

جتلائے حیرتم جان گویمت باجانِ جان اصطلاحِ شوق بسیار ست ومن دیوانہ ام

اس کیفیت کو ایک اور شاعر نے کیا خوب بیان کیا ہے:

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہمیں بھی خود ہماری خبر نہیں آتی

ذاتِ حقیقی کے حُسن وجمال اور خوبصورتی کی کارفرمائیاں ہر طرف موجود ہیں اور شاعر کو ہر طرف اس کی تجلیات نظر آتی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ابھی مقامِ حیرت کی بھول بھلیوں میں گم ہے اس لئے کبھی خود کو اس کی آنکھ کا سُرمہ بتاتا ہے اور کبھی اس کی شانوں کی زلف سمجھ بیٹھتا ہے۔ مقصود اس کا اس سے یہ بتلانا ہے کہ میں اس ذاتِ حقیقی کے اس قدر قریب ہوں کہ ظاہراً اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ بقول شاعر ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگویند بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لیکن منصور حلاج کی طرح ''انا الحق'' کا نعرہ بھی نہیں لگاتا بلکہ اس کی تشریح یوں کرتا ہے:

غافل از خود ماند از صورت چو پرشد آئینہ تاترا بشناختم جانا ز خود بیگانہ ام

گویا میں تو درحقیقت خود اپنی ذات کی معرفت سے بھی آگاہ نہ تھا اور آئینہ کی پرچھائی کی طرح تھا اور اس وقت تک اپنی ذات کی معرفت سے بیگانہ رہوں گا جب تک تیری ذات کی معرفت مجھے حاصل نہیں ہوتی۔ اور میری یہ ساری تگ ودو اسی لئے ہے کہ میں تیری ذات کی معرفت پاجاؤں۔ اس کے بعد شاعر اپنا رنگ بدلتا ہے اور کہتا ہے:

اے امین! بر مستیم نام تجدد تہمت ست در ازل پیش از زمان تعمیر شد میخانہ ام

یعنی لوگ ہماری اس کیفیت سرشاری کو تجدد کی تہمت سے آراستہ کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نے تو اپنا میخانہ ازل سے بھی بہت پہلے تعمیر کرلیا تھا۔ یہاں ''ازل'' سے مطلب پورا ہوسکتا تھا لیکن ''پیش'' کا اضافہ کرکے اس میں مزید خوبصورتی اور معنویت پیدا کردی ہے اور یہ شاہ صاحبؒ ہی کا کام تھا۔ شاہ صاحبؒ کی یہ غزل ان کے اعجازِ بیان اور ایجازِ بیان کو منہ بولتا ثبوت ہے۔

صوفیت کا یہی رنگ تھوڑے زیادہ گہرے اور عمیق انداز میں اس غزل میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ غزل شاہ صاحبؒ نے امام غزالیؒ کی کسی غزل کی بیتِ اول کی شرح میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

نخستین بادہ کاندر جام کردند مزاجش عکس آن گلفام کردند
ہویدا شد در امکان صورتِ حق بآن صورت جہاں را رام کردند
شرابِ وحدت از خمخانۂ غیب مرا صبح ازل درکام کردند
چو غلطیدم ز مستیہا بہر سو حریفاں مستی از من دام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بود بما مشہود خاص وعام کردند
پس آنگہ موج دریا باز گردید باتمام فنا اکرام کردند
امینؔ رمزے دقیقے باتو گویم بخود آغاز ونیز انجام کردند

شاہ صاحبؒ کی ایک اور غزل ملاحظہ فرمائیں:

ساقی کرمے کن کز ہوش خود افتم من یار خودم خود از دوش خود افتم
مثل بے جو شان کز خم بدر افتد جو شے زدہ بر خود از جوش خود افتم
ازہر بن موئم جوشد مئے دیگر از فرط تمائل ز آغوش خود افتم
زین تیر زبانے آزردہ دلم من خوش آنکہ زمانے خاموش خود افتم

یہ غزل مزاحفات بحر بسیط سے ہے اس کے ارکان چار بار مستفعلن ہے جو فارسی شاعری میں نہایت کمیاب ہے اکثر شعراء متقدمین کے کلام اس بحر سے خالی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کی ایک اور خوبصورت غزل ملاحظہ فرمائیں:

ناگزیر تو منم اے بے نظیر رو مگر داں بعد ازیں از ناگزیر
من ترا مشفق ترم از صد پدر در من آویزد مرا محکم بگیر
غیر من گر با تو بابستہ بود آن دبالست وعذابست وسعیر

جان من در ہجر یار خود بسوخت من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر
بے قرارم روز وشب بے روئے یار باز بنما روئے یارم یا قدیر
اندرونم بے حجابش تار شد کے شود یا رب بوصلش مستنیر
اے برادر بعد ازیں ہشیار باش فرق میکن درمیان شیر و شِیر

شاہ صاحبؒ کی قافیہ بندی کی ایک اور شاہکار غزل ملاحظہ فرمائیں:

تا کجے محنت مہجوری ودوری بکشم نازنین وطنم سوئے وطن باز روم
تا کجے ہمدمئے سنگ بود شیوۂ من گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم
تا کجے بستہ زنجیر تعلق باشم آہوئے از ختنم سوئے ختن بازروم
بوئے جان میرسدا ز بادِ یمن دردوجہان شاہ ملک مینم سوئے یمن باز روم

ایک اور غزل ملاحظہ فرمائیں:

دلے دارم زخود خالی حبابش میتواں گفتن درو کیفیت جوشِ شرابش میتواں گفتن
وجودِ بے نمود معنے تادیدنے دارد دریں نیرنگھائے بو کبابش میتواں گفتن
سویداء دل مایابی اندر پیچ وتاب او نقوشِ عالم ام الکتابش میتواں گفتن
فرو پاشید ازہم کثرت موہوم چوں شبنم زفیض معنی ما آفتابش میتواں گفتن

ایک اور غزل ملاحظہ فرمائیں:

محبت نام جوشِ طبع ومیل نفس اگر باشد سر اہلِ محبت در دو عالم گاؤخر باشد
زنازک طبع غیر از خونمایہا نے آید درخت بید را دیدیم دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشربان رنگ تعلق در نمی گیرد اگر نقشے زنی برروئے دریا بے اثر باشد
صفائی طبع میخواہی زصحبت دامن اندرکش کہ آب دور از مردم ہمیشہ باصفا باشد

چند اشعار متفرق ملاحظہ فرمائیں:

فراغ یا فتم از حج وعمرہ چو احرام سر کوئے تو بستم
چو دیدم روئے زیبائے توجانا ز تشویش وجود خویش رستم
بیا ساقی بدہ جامے شرابے کہ مخمور صبوحے والستم

مزاج صاف طبعان را بجز غربت نمی سازد کدر گرد وآب صاف چوں یکجا وطن گیرد

صفا با خبث باطن نیز گاہے جمع میگردد برو ہالوعہ راچوں در بنشیند تماشا کن

ہرزہ گردی مانع سوز دل است اے ہوشمند سیل تا بنشست یکجا باطنش صافی نہ شد

یہ تو تھیں شاہ صاحبؒ کی متفرق غزلیں اور اشعار اب تصوف وسلوک سے متعلق آپؒ کی رباعیات ملاحظہ ہو۔

علمے کہ نہ ماخوذ از مشکوٰۃ نبی است واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی است
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت تابع شدن حکم خود بو لہبی است

دانی کہ چہ بود نہج قدیم اے دلدار شغل دل تو ظاہر وباطن بایار
ایں را شوئی از درس عوارف عارف واں فن دگر یار بگیر از احرار

در مذہب ماہست ز اسبابِ غرور ذکرے کہ بود عاطل از انوار حضور
در حاشیۂ نفی شو از خلق نفور در جانب اثبات برو سوئے غفور

مستی دولہ شرط طریق افتاد ست بے مست شدن کار کسی نکشاد ست
در ذکرِ خفی جہر تخیل کردن شرط ست وزاوستاد طریقم یاد ست

خواہی کہ مئے صرف محبت نوشی باید کہ بتقلیل علائق کوشی
دل را ز خیالات جہاں صرف کنی چشم از صور جملہ عالم پوشی

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشتم وزہر چہ بجز یاد تو زاں بگذشتم
مقصود من بندہ بجز وصلِ تو نیست اندر طلبت از دل وجان بگذشتم

دائم دل من پیش تو حاضر باشد چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی ست وصریح گر سوئے دگر خطرۂ خاطر باشد

دانی چہ بود سہل کثیر البرکات در مشرب اہلِ دل وجود وعدمات
تحصیل عدم بدان یعنی مانع در نفی خواطر ورسد جہات

خوش آنکہ بانوار وضو رنگین ست زیرا کہ طہارت ز اصولِ دین ست
تنویر دل ونفی خواطر خواہی قوی ذریعہ وصولش این ست

تحصیل عدم اگر ندانی کردن باید نظر اہل فنا را جستن
این داءِ عضال را دوائے بہ ازین در حکمت اہل دل نخواہی دیدن

آنانکہ زاد ناس بھی رستند بالمعۂ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں میجو دروازۂ فیض قدس ایشاں ہستند

آن ذات کہ از قید جہت بیرون ست از حیطۂ اسماء صفت بیرون ست
ہر مرتبہ زان ذات نشانے دارد ہر چند ز تعیین سمت بیرون ست

ہر مدرکہ شد مظہر آن یار عجیب ظاہر شد از صورتش آثار عجیب
در لوح دل از ثبت کنی صورت او پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب

قوے بکتابت احرف موصوف جمعے بتلاوت اسماء معروف
شخصے کہ ازیں قوم قدم پیش نہاد گشت است بایں صورت ذہنی مشغوف

غزل کی شاعری میں ایک ناقد کو بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے ایک دقت اس پیرایۂ خاص کی دریافت ہے جو غزل کے اشعار میں یا تو برجستگی وندرت کا موجب بنتا ہے یا اس نکتۂ دانش کی معرفت ہے جو احوال وجذبات کے اندر سے پیدا ہو کر قاری کی جذباتی یا عملی رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔ پیرایۂ خاص کی صورت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ ایک موضوع یا مطلب کو اس طرح ادا کیا جائے کہ حقیقت کا کوئی نیا اور انوکھا پہلو سامنے آجائے یا محسوس ہو کہ کوئی نئی حقیقت بیان ہوئی ہے اور یہ ندرت اور انوکھا پن شاہ صاحبؒ کی شاعری میں ہمیں ملتا ہے۔ بعض عام سی باتوں کو شاہ صاحبؒ اس درجہ انوکھے اسلوب سے پیش کرتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو پر تو اس سے پہلے نظر ہی نہ تھی۔

اس کے علاوہ تصوف کی بعض اصطلاحات کو بھی شاہ صاحبؒ نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور بنیادی طور پر آپؒ کی شاعری وحدۃ الوجود کے گرد گھومتی ہے شاہ صاحب خود وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے۔ اور ان کی تعلیمات کی بنیاد اسی فلسفہ پر ہے اور اس کو انہوں نے اپنی دیگر کتب کی طرح شاعری میں بھی بیان فرمایا ہے۔

یہ تو تھی شاہ صاحبؒ کی شاعری پر چند سطور اگر شاہ صاحبؒ کے عمومی ادبی ذوق پر گفتگو کی جائے اور شاہ صاحبؒ کی کتب اور مکاتیب سے ان کی مثالیں پیش کی جائیں اور وہ اصطلاحات والفاظ کا ذخیرہ جو شاہ صاحبؒ کی اختراع ہے کا جائزہ لیا جائے تو موضوع بہت طویل ہو جائے گا۔ سر دست اس کا موقع نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر بھی کام ہوگا۔